The Intellectual and Literary Contribution of Syed Sarfraz Ahmad Shah in the Tradition of Urdu Sufism

اُردو تصوف کی روایت میں سید سرفراز احمد شاہ کا فکری و اَدبی کردار

Samra Kouser*[1]
PhD Scholar, Department of Urdu, Imperial College Of Business Studies, Lahore.
Dr.Noreen Rizvi *[2]
Assistant Professor, Department Of Urdu, Imperial College Of Business Studies, Lahore.

ثمرہ کوثر☆[1]
پی ایچ ڈی اسکالر، شعبہ اُردو، دی امپیریل کالج آف بزنس سٹڈیز، لاہور
ڈاکٹر نورین رضوی☆[2]
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، دی امپیریل کالج آف بزنس سٹڈیز، لاہور

Correspondance: samrakouser138@gmail.com

eISSN:**3005-3757**
pISSN: **3005-3765**

Received: 17-07-2026
Accepted:22-09-2026
Online:24-09-2026

Copyright:© 2026 by the authors. This is an access-openarticle distributed under the terms and conditions of the Creative Common Attribution (CC BY) license

ABSTRACT: Sufism is an important and influential intellectual and spiritual system of Islamic civilization and culture, which has played a fundamental role in the development of human personality, moral training and spiritual evolution for centuries. Sufism has also played a central role in the formation and development of Urdu literature. In the contemporary era, where materialism, psychological anxiety, and a spiritual void have impacted human life, certain contemporary Sufi thinkers have presented Sufism as a solution to modern problems. Syed Sarfaraz Ahmed Shah holds a prominent place among these thinkers; his works not only cover the fundamental discourses of Sufism but also offer solutions to the intellectual, moral, and spiritual challenges faced by modern man. This paper examines the intellectual and literary contributions of Syed Sarfaraz Ahmed Shah within the context of the Urdu Sufi traditions.

KEYWORDS: Sufism, Urdu Sufism, Syed Sarfraz Ahmad Shah, Spirituality, Self-Purification, Self-Realization, Urdu Literature.

تصوف اسلامی تہذیب و ثقافت کا اہم روحانی اور فکری نظام ہے۔ جس کا بنیادی مقصد انسان کے باطن کی اصلاح اور اسے قربِ الٰہی کی منزل تک پہنچانا ہے۔ برصغیر کی تہذیبی و ثقافتی اور ادبی تاریخ میں تصوف کو بنیادی حیثیت حاصل رہی ہے۔ اسلام کی آمد کے بعد صوفیائے کرام نے اپنے کردار، اخلاق اور روحانی تربیت کے ذریعے نہ صرف دینِ اسلام کی حقیقی تعلیمات کو عام کیا۔ بلکہ انسان، دوستی، وفاداری محبت، اخوت اور عدل جیسی آفاقی اقدار کو بھی فروغ دیا۔ برصغیر میں تصوف نے نہ صرف مذہبی اور سماجی زندگی کو متاثر کیا بلکہ اُردو ادب کی فکری تشکیل میں بھی اہم کردار ادا کیا۔ اُردو کی ابتدائی نثری اور شعری روایت سے لے کر عصرِ حاضر تک تصوف نے ادب کے اخلاقی، فکری اور جمالیاتی رویوں کو گہرے طور پر متاثر کیا ہے۔ تصوف دراصل انسان کے باطن کی اصلاح، نفس کے تزکیے، اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اخلاقِ حسنہ کے حصول کا نام ہے۔ڈاکٹر نفیس اقبال تصوف کے متعلق لکھتے ہیں:

"تصوف سراسر ادب اور اخلاق ہے تصوف تہذیبِ نفس کا نام ہے تصوف ہر اچھی عادت کو اپنانا اور بری عادت کو ترک کرنا ہے امر و نہی پر صبر کرتے ہوئے افعالِ حسنہ پر ثابت قدم رہنا ہی تصوف ہے۔"(1)

تصوف کی بنیاد روحانیت پر ہے، اور اس کے بنیادی ماخذ قرآن کریم اور سنتِ نبوی اور احادیثِ مبارکہ ہیں، جبکہ صوفیائے کرام نے اپنی تعلیمات کو اپنے عملی نمونے اور روحانی تربیت کے ذریعے معاشرے میں رائج کیا۔ قدرت اللہ شہاب کے نزدیک شریعت اور طریقت میں کوئی تضاد نہیں بلکہ دونوں کی بنیاد ایک ہے تاہم وہ شریعت کی فضیلت کے قائل ہیں۔

"اصل شاہراہ شریعت ہے، باقی تصوف کے اپنے کئی سلسلے ہیں وہ پگڈنڈیاں ہیں جو اس شاہراہ کے ساتھ آکر ملتی ہیں، اگر ایسا نہیں تو وہ تصوفِ باطل ہے۔۔۔ تصوف؛ شریعت کے بغیر کنڈر گارڈن سکول کی مانند ہے وہاں پڑھائی یہاں ذکر"(2)

اگرچہ تصوف کی اصطلاح عہدِ نبویؐ میں بطور اصطلاح مستعمل نہیں تھی، لیکن پھر بھی اس کی روح قرآنِ مجید میں اور سنتِ رسولؐ میں موجود ہے۔ قرآنِ مجید میں بار بار تزکیۂ نفس، تقویٰ، اخلاص، ذکرِ الٰہی، صبر، شکر، احسان اور محبتِ

الٰہی کی تلقین کی گئی ہے، جو بعد میں تصوف کے بنیادی اصول قرار پائے ہیں جنہیں ہم مبادیاتِ تصوف بھی کہتے ہیں۔
قرآنِ مجید میں سورۃ الشمس میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

والارض وماطحٰا. ونفس وماسواھا. فالھمھافجورھاوتقواھا. قد افلح من زکھا. وقد خاب من دساھا.

ترجمہ: اور قسم (نفس انسانی) کی اور اسے درست کرنے کی، پھر ہم نے اسے برائی اور نیکی کی سمجھ بوجھ عطا کی، بے شک وہ شخص کامیاب ہو گیا جس نے اپنے (نفس) کو پاک کر لیا، اور وہ شخص نامراد ہوا جس نے اسے (نفس کو) مٹی میں ملا کر (ذلیل) کر دیا۔[۳]

آپؐ کی سیرتِ طیبہ، زہد، قناعت، توکل، ایثار، خدمتِ خلق اور حسنِ اخلاق کا کامل نمونہ ہے، جسے صوفیائے کرام اور صحابہ کرامؓ نے اپنی عملی زندگی کا محور بنایا۔ عہدِ صحابہؓ میں بھی تصوف کسی منظم مکتبِ فکر کے طور پر موجود نہیں تھا، خاتم النبیینؐ کے وصال کے بعد صحابہ کرامؓ نے اپنی زندگی کو قرآن و سنت کے مطابق اخلاص، تقویٰ اور پرہیزگاری سے گزارا۔ اگر ہم صحابہ کرامؓ کی زندگی پر نظر ڈالیں تو ان کے افعال، اعمال اور اقوال میں تصوف کی تمام خصلتیں اور مبادیات ملتی ہیں۔ خلفائے راشدین اور اصحابِ صفہ کے علاوہ بہت سے صحابہ اور بزرگ ہیں جو زہد و تقویٰ کی بنا پر بلند مقام پر ہیں۔ بلکہ وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی یاد میں مگن اور زندگی کا زیادہ تر حصہ عبادت و ریاضت میں گزارتے ہیں۔ ان میں حضرت تمیم داری، ابوذر غفاری، ابوہریرہ وغیرہ کے نام قابلِ فہرست ہیں۔ اسلام ایک مکمل اور کامل دین ہے۔ خلفائے راشدین کے بعد جب اسلام عرب سے نکل کر دوسرے ممالک میں پھیلنے لگا، اور مسلمان فتوحات کرنے لگے اور اس دوران اموی گورنروں کے ظلم و ستم بھی بڑھ گئے ہر طرف نفسا نفسی کا عالم تھا تو ایسے حالات میں بزرگانِ دین حالات سے دل برداشتہ ہو کر سماجی دھارے سے الگ ہو گئے۔ انہوں نے سیاست سے علیحدگی اختیار کر لی حکومتی منصب داروں سے ان کا ملنا جلنا پسند نہیں تھا۔ اگر کوئی ان سے ملتا تو ان کی غلطیوں کی نشان دہی کرتے۔ خوف نہیں کھاتے، عام انسان اس کی ہمت نہیں کر سکتا تھا۔ وہ اپنا زیادہ وقت عبادت و ریاضت میں صرف کرنے لگے اس وقت کوفہ اور بصرہ میں تصوف کا پہلا اسلامی مرکز قائم ہوا۔ اور اس تحریک کا آغاز بھی اسی جگہ سے ہوا۔ پروفیسر محمد حسین اس ضمن میں لکھتے ہیں:

"تصوف کی ابتداء سیاسی، سماجی اور فکری تقاضوں کا نتیجہ تھی۔ پہلی صدی ہجری تک تصوف کا 'اسلامی مسلک' واضح اور متعین نہیں تھا لیکن معاویہ اور یزید کے دور سے بعض رجحانات نمایاں ہونے لگتے ہیں۔"[۴]

تصوف کے پروان چڑھنے میں سیاسی، سماجی اور معاشی حالات کا گہرا عمل دخل رہا۔ فتوحات کی بدولت معاشی وسائل تو بہتر ہوئے لیکن عرب کی سادہ اور روایتی زندگی کا آغاز، ایران کی پر آسائش زندگی سے ہوا، جس کے اثرات علم و معاشرے پر نمودار ہونے لگے۔ اس دوران جنھوں نے سادگی کے جذبے کو پروان چڑھایا وہی صوفی کہلایا۔ نفسیاتی اعتبار سے بھی اس عہد میں فراریت کے پہلو ہیں، صوفیائے کرام سیاسی منظر نامے سے ہٹ چکے تھے لیکن معاشرے اور عوام سے ان کا گہرا تعلق تھا۔ اس سب کے باوجود وہ شریعت و احکام کی پابندی لازمی کرتے تھے۔ صوفیائے کرام کے ان ادوار کو اہل علم نے درج ذیل چار ادوار میں تقسیم کیا ہے:

پہلا دور: ۲۴ھ تا ۱۵۰ھ

دوسرا دور: ۱۵۰ھ تا ۴۰۰ھ

تیسرا دور: ۴۰۱ھ تا ۷۵۰ھ

چوتھا دور: ۷۵۱ھ تا عصرِ حاضر تک

تصوف کا پہلا دور اگرچہ باقاعدہ نظریاتی و تنظیمی خد و خال سے خالی تھا تاہم اس میں وہ بنیادی عناصر تشکیل پائے جنھوں نے آگے چل کر تصوف کو ایک منظم فکری اور روحانی نظام میں ڈھال دیا۔ زہد و تقویٰ، محاسبۂ نفس، توکل، عشقِ الٰہی جیسے تصورات اس عہد کی دین ہیں۔ اس دور کے صوفیائے کرام میں حضرت اویس قرنی، حضرت حسن بصریؒ، حضرت مالک بن دینار، حضرت محمد واسع، حضرت حبیب عجمی، حضرت ابراہیم بن ادہم، حضرت بشر بن حارث الحافی، حضرت سفیان ثوری، حضرت داؤد طائی، حضرت خواجہ فضیل بن عیاض، حضرت رابعہ بصری اور حضرت امام ابو حنیفہؒ وغیرہ کے نام قابلِ فہرست ہیں۔ اس دور کی سب سے بڑی خوبی سادگی اور خلوص ہے۔ یہاں تصوف کسی پیچیدہ فلسفے کی بجائے ایک زندہ متحرک اور عملی طرزِ حیات کے طور پر جلوہ گر ہوتا ہے۔ ابتدائی دور کے حوالے سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ دور تصوف کا سنگِ بنیاد ہے۔ جس پر تصوف کی پوری عمارت استوار ہوئی ہے۔

جس کی جڑیں قرآن و سنت، زہد و تقویٰ، اور شائستگی، عشقِ الٰہی اور معرفتِ حق میں پیوست ہیں۔ تصوف کا دوسرا دور بھی غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے۔ اس دور میں چار فقہی مراکز قائم کیے گئے۔ اس دور میں صوفیاء نے عشق کے جذبے کو عقل پر فوقیت دی، یہ دور فکری، علمی اور روحانی حوالے سے ایک اہم تحول کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس دور میں دنیا سے کنارہ کشی کافی نہیں رہی بلکہ انسان اور خالق کے تعلق کی گہرائی کو سمجھنے کی جستجو نے جنم لیا۔ یہ وہ سنہری عہد ہے جب اسلامی علوم: فقہ، حدیث اور علم کلام اپنی باقاعدہ صورت میں مدون ہو رہے تھے، چاروں فقہی مراکز اپنی شناخت قائم کر رہے تھے، اس علمی و فکری ماحول میں تصوف بھی محض عملی طرزِ حیات سے آگے بڑھ کر ایک منظم و صوفیانہ علم کی شکل

اختیار کر گیا۔ اس دور میں حضرت معروفِ کرخیؒ، حضرت سری سقطیؒ، حضرت بایزید بسطامیؒ، حضرت حارث محاسبیؒ، حضرت ذوالنون مصریؒ، حضرت جنید بغدادیؒ، حضرت ابو سعید خراز متوفیٰ، اور حضرت ابو المغیث الحسین بن منصور حلاج کے نام قابلِ فہرست ہیں۔ اس دور میں صوفیائے کرام نے باطنی کیفیات کو واضح کیا۔ خلیق نظامی اس حوالے سے رقم طراز ہیں:

> "اس دور کے صوفیاء نے فلسفہ کی پیدا کی ہوئی لامرکزیت کو قلبی کیفیت کے ذریعے دور کرنے کی کوشش کی۔"(۵)

یہ دور تصوف کی فکری و نظریاتی تشکیل کا سنہری دور ہے، جسے ہم کلاسیکی دورِ تصوف بھی کہہ سکتے ہیں، کیونکہ اس دور میں تصوف کے بنیادی نظریات، اصطلاحات اور عملی نظام تشکیل پایا ہے، جو بعد کے تمام صوفیانہ سلسلوں اور مکاتب کی بنیاد بنا۔ اس دور میں واضح ہونے والے اصول و تصورات، بعد کے صوفیانہ روایت کے لیے رہنما بن گئے۔

تیسرا دورِ تصوف، ابتدائی سادگی، خلوص اور کلاسیکل تشکیل کے مراحل سے گزر کر استحکام، وسعت، فکری پختگی اور تدوین کی منزل میں داخل ہوتا ہے۔ اب اس دور میں تصوف محض خالص ریاضت، یا محدود حلقوں کی روحانی مشق نہیں رہتا، بلکہ ایک باقاعدہ علمی، فکری اور عملی نظام کے طور پر سامنے آتا ہے۔ اس عہد میں ایک طرف اسلامی علوم: فقہ، حدیث اور کلام اپنی انتہائے کمال کو پہنچ رہے تھے، وہیں تصوف بھی ان کے ساتھ ہم آہنگ ہو کر ایک ایسی روایت کی صورت اختیار کر رہا تھا، جو انسان کے ظاہر و باطن دونوں کی اصلاح کا جامع پروگرام پیش کرتی ہے۔ اس دور میں باطن کی طرف توجہ دینے والے اور تزکیۂ نفس کرنے والوں میں حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ، شیخ محی الدین ابن العربیؒ، ابو نصر سراج متوفیٰ، شیخ ابو بکر بن ابی اسحاق کلابازی، ابو طالب مکی اور امام غزالی وغیرہ کے نام قابلِ فہرست ہیں۔ اس دور میں تصوف محض ذوقی یا وجدانی کیفیت نہیں رہتا بلکہ مدوّن، مدلل اور فلسفیانہ طور پر مربوط علم کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ جس میں انسان، کائنات اور اللہ تعالیٰ کے باہمی تعلق کو نہایت باریک بینی اور گہرائی کے ساتھ سمجھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ ڈاکٹر محمد حفیظ الرحمن اس سلسلے میں لکھتے ہیں:

> "ان بزرگوں نے اجتماعی طور پر ادب کے ذریعے ان مذہبی مسائل کو حل کرنے کی کوشش کی اور یہ پیغام دیا کہ جب تک دل کی دنیا پاک نہیں ہو گی انسان کی زندگی میں کیف پیدا نہیں ہو گا۔"(۶)

تیسرا دورِ تصوف فکری استحکام، علم، تدوین اور فلسفیانہ ارتقاء کا جامع مرحلہ ہے۔ جہاں روحانیت ایک مکمل علم، ایک زندہ تجربہ اور ہمہ گیر نظامِ حیات کی صورت میں اپنے عروج کو پہنچتا ہے۔ تصوف کا چوتھا دور اہم اثر انگیزی، وسعت،

اور جمالیاتی اظہار کے اعتبار سے ایک منفرد اہمیت رکھتا ہے۔ اس دور میں صوفیانہ تعلیمات نے شاعری، حکایت، موسیقی، اور تمثیل کے ذریعے ایک دلنشین اور اثر انگیز پیرایہ اختیار کیا، اس دور میں سنائی، متوفی، خواجہ فرید الدین عطارؒ، شیخ سعدیؒ، مولانا جلال الدین رومیؒ، حافظ شیرازی، عراقی، محمود شبستری، اوحدی، مراغی، اور مولانا عبد الرحمٰن جامی وغیرہ کے نام قابلِ فہرست ہیں۔ ان عظیم صوفیائے کرام نے تصوف کو ایک ایسی آفاقی زبان عطا کی جو دلوں کو مسخر کرتی ہے اور روح کو بیدار کرتی ہے۔ اس عہد میں تصوف کے بنیادی تصورات عشقِ الٰہی، وحدت، معرفت، اور انسان دوستی، نہایت لطیف اور جمالیاتی انداز میں بیان ہوئے ہیں۔ اس دور میں تصوف نے مختلف تہذیبوں، زبانوں اور معاشروں کو ایک روحانی رشتے میں منسلک کیا۔ اس طرح یہ دور تصوف، روحانیت کے جمالیاتی اظہار، ادبی فروغ، اور آفاقی انسان دوستی کا عہد ہے۔

برصغیر میں صوفیائے کرام کی آمد کا سلسلہ مسلمانوں کے حملے اور فتوحات کے ساتھ ہی شروع ہو گیا تھا، سب سے پہلے شیخ صفی الدین حقانی گارزونی بہاولپور تشریف لائے اور اسلام کی تبلیغ کے فرائض سر انجام دیئے۔ پھر عراق، عرب، اور دوسرے ممالک سے بھی صوفیائے کرام نے ہندوستان آنا شروع کیا، اور سندھ، ملتان، اس کے مرکز بن گئے۔ یہاں اسلام کی آمد سے پہلے لوگ شریعت کے اصولوں سے تو واقف تھے لیکن باطن کی پاکیزگی اور اخلاقی تربیت کی کمی تھی۔ اس خلا کو پر کرنے کے لیے صوفیائے کرام نے عشقِ الٰہی، اخلاق، تقویٰ اور معرفتِ الٰہی کے ذریعہ اسلامی تعلیمات کو نہ صرف عام کیا بلکہ عوامی دلوں میں روحانی اثر بھی پیدا کیا۔ جامی سب سے پہلے بزرگ ہیں ان کے بعد سہروردیہ، نقشبندیہ، قادریہ، چشتیہ سلسلوں کے بزرگوں نے بھی اپنی خانقاہیں قائم کیں، اور اسلام کی تبلیغ کی۔ ملتان اور سندھ کے بعد صوفیائے کرام نے لاہور کا رخ کیا۔ محمود غزنوی کے دور میں شیخ اسماعیل لاہوری کے بعد بہت سے صوفیائے کرام کی آمد کا سلسلہ لاہور کی طرف شروع ہو گیا۔ غزنوی کی مہم کے دوران حضرت علی بن عثمان ہجویریؒ پنجاب تشریف لائے اور دینِ اسلام کی تبلیغ شروع کی، اور لاہور کو مرکز بنایا۔

برصغیر میں تبلیغِ اسلام کے لیے جدوجہد کرنے والے صوفیائے کرام میں حضرت علی بن عثمان ہجویریؒ، حضرت سلطان سخی سرور، خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ، حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانیؒ، خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، شیخ شرف الدین بو علی قلندر، نظام الدین اولیاء، حضرت مخدوم جہانیاں جہان گشت، حضرت میاں میر، حضرت مادھو لال حسین، حضرت مجدد الف ثانیؒ، بابا بلھے شاہ، شاہ عبد اللطیف بھٹائی، شاہ ولی اللہ، وارث شاہ، سرمد شہید، خواجہ غلام فرید، سید مہر علی شاہ گولڑوی، سلطان باہو، شیخ بابا فرید الدین گنج شکر، شیخ نصیر الدین چراغِ دہلی وغیرہ جیسی شخصیات کے نام قابلِ فہرست ہیں۔ ان تمام صوفیائے کرام نے برصغیر میں اسلام کی روشنی پھیلائی اور تصوف کے تمام پہلوؤں کو مضبوط کرنے کی کوشش کی۔ برصغیر میں ان صوفیائے کرام کی تعلیمات نے نہ صرف فرد کی اصلاح کی بلکہ ایک وسیع، سماجی اور تہذیبی اثر بھی چھوڑا۔ جس کی واضح جھلک آج بھی صوفیانہ درگاہوں، کلام اور عوامی عقیدت میں دیکھی جاسکتی ہے۔

جدید دور میں جب معاشرہ صنعتی ترقی، سائنسی انقلاب، اور مادہ پرستی کے زیرِ اثر تیزی سے تبدیل ہوا تو انسان کی روحانی زندگی بھی شدید متاثر ہوئی۔ معاشی دوڑ، اخلاقی انتشار، نفسیاتی دباؤ اور خاندانی نظام کی کمزوری نے انسان کو بے سکونی کا شکار کر دیا ہے۔ ایسے حالات میں اللہ (تصوف) کی حقیقی تعلیمات ایک متوازن اور تعمیری فکر کے طور پر سامنے آئیں۔ معاصر صوفی مفکرین نے اس ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے تصوف کو جدید انسان کی زبان میں بیان کرنے کی کوشش کی تاکہ روحانی تعلیمات عصرِ حاضر کے انسان کے لیے قابلِ فہم اور قابلِ عمل بن سکیں۔ اس معاصر روایت میں سید سرفراز احمد شاہ کا نام نمایاں اہمیت رکھتا ہے۔ انہوں نے نہ تو تصوف کو فلسفیانہ بحث بنایا اور نہ ہی اسے رسمی خانقاہی روایت تک محدود رکھا بلکہ اسے ایک زندہ متحرک اور عملی زندگی کے طور پر پیش کیا۔ ان کی تحریروں میں قرآن و سنت کی تعلیمات، احادیث کا حوالہ، اخلاقی تطہیر، باطنی اصلاح، مثبت فکر، خود احتسابی، خدمتِ خلق اور انسان دوستی کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ اسی وجہ سے ان کا کام کی معاصر، کلاسیکی صوفیانہ روایت اور جدید معاشرتی تقاضوں کے درمیان ایک مضبوط پل کی حیثیت رکھتا ہے۔

ہر دور کے صوفی اہل علم نے اپنے زمانے کے فکری اور سماجی مسائل کو سامنے رکھ کر تصوف کی تعبیر کی ہے۔ اسی طرح اُردو زبان کی تشکیل میں بھی صوفیائے کرام کا کردار نہایت اہم رہا ہے۔ انہوں نے عوامی زبان میں دین اور روحانیت کی تعلیمات پیش کیں، جس سے اُردو زبان کو بھی فروغ ملا۔ ابتدائی اُردو نثر اور شاعری میں تصوف ایک بنیادی عنصر کے طور پر نمایاں ہے، ملا وجہی، شاہ میراں جی شمس العشاق، خواجہ بندہ نواز گیسو دراز اور بعد میں میر تقی میر، میر درد، غالب، اقبال اور دیگر اہل علم نے اپنے اپنے انداز میں صوفیانہ افکار کو ادب کا حصہ بنایا۔

> کلاسیکی صوفی نے روحانی تربیت اور اخلاقی اصلاح کو بنیاد بنایا، جب کہ جدید صوفی مفکرین نے انہی اصولوں کو موجودہ معاشرتی، نفسیاتی، اور تہذیبی مسائل کے تناظر میں بیان کیا ہے۔ سید سرفراز احمد شاہ اس جدید دور کی ایک بڑی پیش رفت ہیں۔ ان کی تصانیف روایت سے وابستگی کے ساتھ ساتھ نہایت اجتہادی فکر، عصری شعور اور عملی رہنمائی کا حسین امتزاج پیش کرتی ہیں۔ سید سرفراز احمد شاہ ۱۲ جون ۱۹۴۴ء کو جالندھر میں پیدا ہوئے۔(۷)

تقسیمِ ہند کے بعد ان کا خاندان پاکستان ہجرت کر کے آ گیا۔ انہوں نے اعلیٰ تعلیم حاصل کی اور گورنمنٹ آف پاکستان کے لیے اہم خدمات انجام دیتے رہے۔ آپ نے ۶۵ ممالک کا دورہ بھی کیا، جس سے آپ کو مختلف ممالک کا مشاہدہ کرنے اور ان کی تہذیب و ثقافت کو قریب سے سمجھنے کا موقع بھی ملا۔ اس وسیع تجربے نے آپ کی فکری بصیرت کو جلا بخشی

اور آپ کی تحریروں میں عالمگیریت، اعتدال اور انسانی دوستی کے عناصر نمایاں ہو گئے۔ برمنگھم یونیورسٹی میں مینجمنٹ کے موضوع پر لیکچر بھی دیئے۔ اور آج کل پاکستان کے معروف صنعتی و تجارتی گروپ سے وابستگی اختیار کیے ہوئے ہیں۔ آپ کی شخصیت اس قدر پرکشش اور دلکش ہے کہ جس نے ایک دفعہ بھی سن لیا، وہ ناامیدی سے امید کی طرف لوٹ آئے۔ ۷ جولائی ۱۹۶۶ء کو پروفیشنل زندگی کا آغاز کیا۔ پہلی ملازمت سول ایوی ایشن میں ملتان تھی، اس دوران آپ کو بہاؤ الدین زکریا ملتانی کے دربار میں حاضری کی سعادت حاصل ہوئی۔ تو آپ نے سوال کیا کہ آپ کو مرشد کی تلاش ہے۔ روحانی اعتبار سے سید سرفراز احمد شاہ کو حضرت سید یعقوب علی شاہ کی صحبتِ بابرکت سے فیضحاصل ہوا۔ سید سرفراز احمد شاہ رقم طراز ہیں:

"حضرت یعقوب علی شاہ صاحب نے ایک دن مجھے بتایا کہ تمھاری شکل مجھے بہت پہلے دکھا دی گئی تھی۔ لیکن تم میرے پاس بہت دیر سے پہنچے؛ تمہارا حصہ میرے پاس ہے۔"(۸)

حضرت یعقوب علی شاہ صاحب کی تربیت نے سید سرفراز احمد شاہ کی شخصیت میں سلوک، تزکیۂ نفس، اخلاص، توکل اور خدمتِ خلق جیسے اوصاف کو راسخ کر دیا، اور بعد ازاں انہوں نے جو علم حضرت یعقوب علی شاہ صاحب سے سیکھا اور اپنے روحانی تجربات کو اپنی گیارہ تصانیف کے ذریعے قارئین تک منتقل کیا۔ بلکہ اس علم کو ویڈیو لنک میں بھی ریکارڈ کروایا۔ سید سرفراز احمد شاہ نے اپنے لیکچر اور تصانیف میں تصوف و روحانیت کی جملہ معلومات کے بارے میں انتہائی عاجزانہ انداز میں کہا ہے کہ میں نے جو کچھ بھی کہا ہے وہ سب ودیعتِ خدا ہے۔ اور میں نے اس کو بعینہٖ آپ تک پہنچا دیا ہے۔ تصوف اور فکر کے بارے میں جو ان کے نظریات اور تصورات ہیں، ان کا ذکر تفصیل کے ساتھ ان کے لیکچر اور تصانیف میں موجود ہے۔ اس حوالے سے سید سرفراز احمد شاہ لکھتے ہیں:

"میں پڑھا لکھا انسان ہوں نہ کوئی ادیب، خطیب، یا مقرر، لفظوں کے جادو جگانے کے فن سے قطعی ناآشنا۔۔۔ یہ کتاب تو بس ایک فقیر کے دل کی گہرائیوں سے نکلنے والی آواز ہے، جو الفاظ میں ڈھل کر آپ کے سامنے ہے۔ اس کا مقصد خود نمائی ہے، نہ ہی روحانی مسائل پر کوئی نئی جہت یا نظریہ پیش کرنا۔۔۔ یہ تو محض ایک امی کے تخیل کی پرواز اور دل سے نکلی ہوئی بات ہے جو شاید کسی کے دل میں اتر جائے۔"(۹)

سید سرفراز احمد شاہ صاحب کسرِ نفسی سے کام لیتے ہوئے اپنی تصنیف "فقیرِ رنگ" میں کہتے ہیں کہ وہ فنِ تحریر و تقریر سے قطعی نابلد ہوں۔ تصوف کیا ہے؟ اس کی اصل ماہیت کیا ہے؟ اس پر ہر دور میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ اس ضمن میں سید سرفراز احمد شاہ لکھتے ہیں:

> "تصوف در حقیقت نام ہے روحانی ارتقاء کی منازل طے کرنے کا اور اس ارتقائی عمل کو جاری رکھنے کے سلسلے میں جو کوشش اور جدوجہد کرنا پڑتی ہے اسے اصطلاحی طور پر تصوف کا نام دیا جاتا ہے۔ یہ تصورِ عام ہے کہ تصوف شاید کوئی ایسی چیز ہے جو شریعت سے ٹکراؤ رکھتی ہے، ایسا نہیں صحیح تصوف وہ ہے جس میں بدعتوں کی آمیزش نہ ہو اور وہ شریعت سے ٹکراؤ نہ رکھتا ہو۔"(۱۰)

تصوف کی اتنی مذکورہ بالا تعریفات تمام تعریفات سے بالکل منفرد، آسان اور سہل ہے۔ اس میں واضح کر دیا گیا ہے کہ تصوف کا شریعت سے کوئی ٹکراؤ نہیں ہے، اور نہ ہی تصوف شریعت کے برعکس کوئی نیا دین یا مسلک ہے، بلکہ یہ واضح کیا گیا ہے کہ جو لوگ آسانی سے شریعت پر عمل نہیں کر سکتے تصوف انہیں ایسی روحانی قوت عطا کرتا ہے جس کی وجہ سے شریعت کے اصولوں پر عمل کرنا آسان ہو جاتا ہے؛ تصوف ایک درمیانی واسطہ ہے۔ جس طرح ایک شخص بلند سیڑھی پر نہیں پہنچ سکتا تو اس کے درمیان میں ایک عارضی ڈبہ بنا دیا جائے تا کہ وہ آسانی سے چڑھ سکے۔ سید سرفراز احمد شاہ ایک سالک کی ابتداء سے فنا فی اللہ کی منزل تک کا راستہ کچھ اس ترتیب سے بتاتے ہیں؛ اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

> "تصوف کی راہ پر جو آدمی چلتا ہے، وہ ان چار جہتوں سے گزرتا ہے، اور اس کی منزل فنا فی اللہ ہے، سب سے پہلے انسان کو توبہ کرنی چاہیے، اپنے ان گناہوں اور کوتاہیوں کی جو ان سے سرزد ہو چکی ہیں۔ یہ پہلا قدم ہے، پھر پچھلے گناہوں سے توبہ کرنے کے ساتھ ساتھ وہ آئندہ بھی گناہوں سے بچنے کے لیے اپنے باطن کی پوری طرح صفائی کرے یوں بالآخر وہ فنا فی اللہ کے مقام تک چلا جائے گا۔"(۱۱)

سید سرفراز احمد شاہ کے نزدیک تصوف کا اصل مقصد انسان کے دل کو اللہ تعالیٰ کی محبت، معرفت، اور اطاعت سے منور کرنا ہے تا کہ اس کا کردار، اخلاق اور معاشرتی رویہ اسلامی تعلیمات کے مطابق ڈھل جائے۔ وہ بھی اس پر زور دیتے ہیں بلکہ اگر تصوفِ انسان کو معاشرے سے کاٹ دے ذمہ داریوں سے فرار کی تعلیم دے یا محض کرامات اور کشف کی حد تک محدود ہو جائے تو وہ اپنی اصل روح سے دور ہو جاتا ہے۔ برصغیر میں کشف و کرامات کا سلسلہ بہت شروعات سے

ملتا ہے۔ اس حوالے سے بزرگانِ تصوف کے ملفوظات، اور ان سے منسوب تصانیف میں اس ضمن میں سینکڑوں واقعات ملتے ہیں، جن میں کشف و کرامات کا ذکر ہے۔ کسی محفل میں کسی قطب یا صوفی کا ذکر کریں تو موجود احباب اپنے اپنے مرشدین کی کرامات کا بیان شروع کر دیں گے۔ سید سرفراز احمد شاہ ان تصورات سے ہٹ کر رب تعالیٰ کے قرب سے مستفید صوفی کے بااختیار اور روحانی تصرف کا اظہار کچھ اس انداز سے کرتے ہیں:

"انسان رب تعالیٰ کی مرضی کا اس حد تک محتاج ہے کہ کوئی ولی اللہ اور صاحبِ مقام اپنی پشت پر بیٹھی مکھی اڑانے کے قادر نہیں تا وقت کہ رب تعالیٰ کی طرف سے اجازت نہ ہو جائے لہٰذا یہ سمجھنا کہ کوئی بھی صاحبِ حال جس چیز کے بارے میں چاہے گا جان لے گا غلط ہے۔ وہ صرف اس صورت چیزوں کو سمجھ پائے گا جب رب تعالیٰ چاہے گا ورنہ ہر چیز سے لا علم رہے گا۔"(۱۲)

۔ تصوف کی راہ میں سالک کے لیے سب سے زیادہ طلسم آمیز اور پرکشش چیز علمِ لدنی کا حصول ہے۔ زیادہ تر سالکین کی عمر بھر کی ریاضت اسی علم کے حصول میں صرف ہو جاتی ہے۔ ڈاکٹر طاہر القادری علمِ لدنی کے متعلق اپنے روز و شب کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"علمِ لدنی ایک خاص علم ہے جسے تمام علوم کی ماں سمجھا جاتا ہے۔"(۱۳)

صوفیاء کرام کے ہاں علمِ لدنی کے متعلق مختلف تعبیرات پائی جاتی ہیں۔ کسی صوفی کے نزدیک یہ علم کسبی ہے اور کوئی اسے وہبی عطا سمجھتا ہے۔ تو کسی نے اسے میراث کی طرح منتقل ہونے کے سلسلہ سے مشروط کیا ہے۔ سید سرفراز احمد شاہ علمِ لدنی کے متعلق لکھتے ہیں:

"علمِ لدنی تمام دیگر علوم کا احاطہ کرتا ہے۔ جس شخص کو علمِ لدنی حاصل ہو جائے اسے تمام علوم از خود عطا ہو جاتے ہیں، اولیاء، اہلِ علم، فقیر یا صاحبانِ علم کے پاس علمِ لدنی ہی ہوتا ہے۔ لیکن ڈگری کا فرق ہے۔"(۱۴)

علمِ لدنی کا علم دنیا و مافیہا اور ماورائے کائنات کی ہر چیز کے بارے میں کلی معلومات کا گنجینہ یا گراں مایہ ہے۔ زمین میں چھپے ہوئے خزانے ہوں یا پہاڑوں میں موجود معدنیات، ہزاروں برس کے گزرے واقعات ہوں یا سینکڑوں برس بعد آنے والے معاملات، ان سب سے یکساں آشنائی اس علم کے ذریعے ممکن ہے۔ علمِ لدنی سیکھنے اور حاصل کرنے کے حوالے سے سید سرفراز احمد شاہ لکھتے ہیں:

"علمِ لدنی سیکھنے یا سیکھانے سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ یہ قلب پر رب کی عطا ہے۔ سب سے اچھی حکمتِ عملی یہ ہے کہ آپؐ کی حیاتِ طیبہ کی نقل کریں۔ اس سے وہ خاصیت آ جائے گی اور وہ خاصیت آ جانے سے علمِ لدنی خود بخود عطا ہو جائے گا"(۱۵)

اب وہ زمانہ گزر گیا کہ جب لوگ خدا کی یاد میں اس کے قرب کے حصول کے لیے بستیوں سے نکل کر ویران اور بیابانِ جنگلوں میں پناہ لیتے تھے۔ آج کے دور میں ایسا ممکن نہیں رہا اگر کوئی ایسے اکیلا رہے گا تو ممکن ہے کہ ملک کی ایجنسیاں وہاں پہنچ جائیں گی اور کوشش ہو گی کہ انکوئری کے دوران اس اکیلے اور مشکوک انسان کو دہشت گرد قرار دے دیں۔ پہلے صوفی، فقیر یا ولی اللہ مشاہدہ کرنے عبادت میں یکسوئی حاصل کرنے، توجہ کے لیے ایسی جگہ کا انتخاب کرتے تھے کہ دنیا کے شور و غل سے دور رہ کر قربِ الٰہی حاصل کر سکیں۔ کیونکہ ارد گرد کی چیزوں سے توجہ بٹتی ہے۔ اور مقصد کا حصول مشکل ہو جاتا ہے۔ اس ضمن میں سید سرفراز احمد شاہ لکھتے ہیں:

"رب تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لیے کسی ویران اور بے آباد جگہ کو مسکن بنانا ضروری نہیں ہے۔ بلکہ جہاں ذرا تنہائی اور یکسوئی میسر آ جائے وہیں رب کو یاد کر لیا جائے، مشاہدہ کر لیا جائے اور عبادت و ریاضت سے رب تعالیٰ کی طرف توجہ لگائی جائے۔ اس عمل سے بھی رب تعالیٰ کا قرب حاصل ہو جاتا ہے۔"(۱۶)

قربِ الٰہی ایک وجدانی کیفیت ہی نہیں ہے بلکہ یہ تزکیۂ نفس، تصفیۂ قلب، ذکر و فکر، اخلاص، عبادت، عشقِ الٰہی، صبر و شکر، توکل اور خدمتِ خلق کے مسلسل عمل کا نتیجہ ہے۔ اللہ کا قرب دنیا سے فرار کا نام نہیں ہے۔ بلکہ دنیا میں رہتے ہوئے دل کو اللہ سے وابستہ رکھنے کا نام ہے۔ یہ ایک مسلسل روحانی سفر ہے۔ اور اس سفر میں انسان اپنے باطن کو پاک کرتا ہے۔ اپنے دل کو کثافتوں سے پاک کرتا ہے، کردار کو سنوارتا ہے، خواہشات کو رضائے الٰہی کے تابع کرتا ہے، سید سرفراز احمد شاہ اس حوالے سے لکھتے ہیں:

"انسان کے اندر ایسی Negative عادات یا کثافتیں ہیں، کہ جب تک وہ ختم نہ ہو جائیں انسان کا دل صاف نہ ہو گا، اور جب تک دل صاف نہ ہو گا وہاں رب نہیں بسے گا۔"(۱۷)

انسان جتنا اپنے دل کو ان کثافتوں سے پاک کرے گا وہ اللہ کی رضا کے قریب ہوتا جائے گا۔ انسان اور اس کے رب کے درمیان بندگی کے تعلق کو مضبوط کرنے والا ایک روحانی راستہ ہے، لیکن اس دور میں وسیلے کا عنصر بہت حد تک منفی تاثر لئے ہوئے ہے۔ ایک عام انسان اس وسیلے کے اصل تصور سے ناواقف اور سراسر لاعلمی ہے۔ سید سرفراز احمد شاہ وسیلے کے تصور کو کچھ اس انداز سے بیان کرتے ہیں:

"وسیلہ کے معنیٰ ہم عموماً غلط مراد لیتے ہیں قرآنِ پاک میں اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لینے کی جو بات ہے وہ اللہ کے احکامات کے بارے میں ہے، جو شخص سختی سے ان احکامات کی پابندی کرتا ہے، سختی سے اللہ پر بھروسہ کرتا ہے وہ کبھی بھٹکتا نہیں، میرے خیال کے مطابق "رسی" اللہ کے احکامات اور اس پر بھروسہ کرنے کا استعارہ ہے۔ فقر اور شرع میں بھی کسی غیر اللہ سے امید وابستہ کرنا اور یہ سوچنا کہ یہ میری مشکلیں آسان کر دے گا شرک میں آتا ہے، صرف رب ہے جو ہماری مشکلیں آسان کرے گا، جس سے ہم امید اور توقع وابستہ کرسکتے ہیں۔"(۱۸)

تصوف انسان کو زندگی سکھاتا ہے، انسان کو رب تعالیٰ سے آشنائی سکھاتا ہے۔ انسان کو جنت اور دوزخ کے حصول سے ماورا کر دیتا ہے۔ تصوف انسان کو شریعت سے طریقت اور طریقت سے حقیقت اور حقیقت سے معرفت تک کا سفر کرواتا ہے، اس ضمن میں رابعہ بصری کا ایک مشہور واقعہ نقل کیا جا رہا ہے:

"ایک بار رابعہ بصری ایک ہاتھ میں آگ اور دوسرے میں پانی لیے بازار میں تیزی سے گزر رہی تھی، کسی نے سبب پوچھا، کہنے لگیں، میں اس جنت کو آگ لگانے جا رہی ہوں، جس کے لالچ میں لوگ عبادت کرتے ہیں، اور اس جہنم کو بجھانے جا رہی ہوں، جس کے خوف سے لوگ اللہ کو پکارتے ہیں۔"(۱۹)

یہ عمل خالص اللہ کی محبت کا ہے، برصغیر میں صوفیاء، فقرا اور درویشوں کے مزارات، صدیوں سے عرس منعقد ہو رہے ہیں، بزرگانِ دین کے مزارات پر عرس، اور مزار کو غسل دینا، چادر چڑھانا، چراغاں، فاتحہ، ذکر و دھمال اور دیگر اعمال صرف رسم ہی نہیں بلکہ یہ سب تہذیبی اور ادبی روایت کا حصہ ہے۔ سید سرفراز احمد شاہ اس ضمن میں لکھتے ہیں:

> "صاحبِ مزار سے عقیدت کی ایک رسم ہے۔ جو کہ ثقافتی اقدار کی حامل ہے، ہمارے ہاں ۱۹۴۷ء سے پہلے والی بہت سے رسوم ابھی تک جاری ثقافت کا حصہ ہیں، جن میں سے مزار کو غسل دینے کی ایک رسم یا روایت بھی ہے۔"(۲۰)

صوفیانہ اصطلاح میں کسی ولی اللہ کے وصال کے دن کو عرس کہنا اس تصور کی طرف اشارہ ہے کہ ولی اللہ کی روح اپنے محبوبِ حقیقی، یعنی اللہ تعالیٰ سے جا ملتی ہے۔ سید سر فراز احمد شاہ اس حوالے سے لکھتے ہیں:

> "عرس کے تصور کے پیچھے غالباً ایک خیال یہ رہا ہو گا کہ صاحبِ مزار جو ساری زندگی لوگوں میں علم اور فیض بانٹتے رہے۔ ان کے عقیدت مند چونکہ سارے ملک اور دنیا کے مختلف گوشوں میں پھیلے ہوتے ہیں۔ لہذا ان عقیدت مندوں نے ان بزرگوں کے وصال کے بعد یہ راہ نکالی کہ ہر سال کچھ لوگ اکٹھے ہو کر ان کے لیے قرآن خوانی کی جائے۔ اظہارِ تشکر کے طور پر فاتحہ خوانی کے ذریعے ان کی روح کو ایصالِ ثواب کیا جائے۔ ان بزرگ کے اقوال، تعلیمات، علم، مشاھدات، اور واردات کا ذکر کیا جائے۔ اپنا علم اور مشاہدہ ایک دوسرے سے شیئر کیا جائے، تا کہ علم سینہ بہ سینہ پھیلتا چلا جائے۔ چونکہ گھر پر اتنی بڑی تعداد میں اکٹھا ہونا قدرے مشکل تھا، لہٰذا صاحبِ مزار کے مزار کیجگہ پر اکٹھا ہونا زیادہ مناسب سمجھا گیا۔ لیکن بعد ازاں اس میں بھی بہت سی غیر اسلامی چیزیں شامل ہو گئی ہیں۔ اگر اصل مقصد کو سامنے رکھ کر عرس منایا جائے تو یہ بہت اچھا تھا، لیکن افسوس عرس اب رسومات کے مجموعے کے سوا کچھ بھی نہیں"(۲۱)

مزارات اور ان سے وابستہ رسوم برصغیر کی صوفیانہ تاریخ کا ایک مرکز اور محور ہیں، جن میں عقیدت، خدمتِ خلق، تہذیبی تسلسل اور ادبی علامتیں باہم پیوست دکھائی دیتی ہیں۔ انسان کی زندگی دراصل انتخاب، سفر اور جستجو کا نام ہے، وہ ہر لمحہ کسی نہ کسی راستے کا انتخاب کرتا ہے۔ کبھی خواہشات کا راستہ، کبھی دنیاوی مفادات کا راستہ، کبھی عقلِ مصلحت کا، اور کبھی روحانی ہدایت اور حقیقت کا راستہ، مگر ان تمام راستوں میں ایک راستہ ہے جو انسان کو اس کے حقیقی مقصدِ حیات سے ہم کنار کرتا ہے، اور اسے اللہ تعالیٰ کی رضا کی طرف لے جاتا ہے۔ قرآنِ مجید میں اس راستے کو صراطِ مستقیم کہا گیا ہے۔ اور ہر مسلمان نماز کی ہر رکعت میں اس کی دعا کرتا ہے۔

"اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ"

ترجمہ:

ہمیں سیدھا راستہ دکھا۔

(الفاتحہ:٦)

یہ مختصر سی دعا انسانی زندگی کے پورے فلسفۂ ہدایت کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے۔ صراط عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی راستہ، شاہراہ یا گزرگاہ کے ہیں اور مستقیم کا مفہوم سیدھا، درست، مدام قائم اور اعتدال پر قائم رہنے والا ہے۔ یوں صراطِ مستقیم سے مراد ایسا سیدھا اور درست راستہ ہے جو انسان کو منزلِ مقصود تک پہنچاتا ہے۔ سید سرفراز احمد شاہ صراطِ مستقیم کے حوالے سے رقم طراز ہیں:

> "اوامر و نواہی کی پابندی سے ایک سیدھا خط کھینچ جائے گا، جو صراطِ مستقیم کہلائے گا یا یوں کہہ لیجیے کہ آپؐ کی سیرتِ طیبہ ہی صراطِ مستقیم ہے، اس کی پیروی کر لی جائے تو ہم صراطِ مستقیم پر چلنے لگیں گے۔"(٢٢)

صراطِ مستقیم صرف ایک راستہ نہیں ہے بلکہ ایک مکمل طرزِ حیات ہے۔ یہ نہ صرف انسان کو گمراہی سے بچاتا ہے بلکہ اسے اپنی ذات سے بھی آشنا کرتا ہے۔ اس راستے پر قدم بڑھانے سے باطن سنورتا ہے، دل ذکر سے روشن ہوتا ہے، کردار و اخلاق سے سنورتا ہے اور منزل اللہ تعالیٰ کی رضا بن جاتی ہے۔

اکیسویں صدی میں جہاں دنیا گلوبل ویلیج میں تبدیل ہوگئی، ہر چیز کا طریقہ بدل گیا۔ لوگ مینول سے ڈیجٹلائز ہو گئے، نئی نئی ایجادات اور سائنسی دریافتوں نے ایسا طلسم پیدا کیا ہے کہ ہر چیز اب سیکنڈ میں ترسیل و ابلاغ کا مقدمہ بن گئی ہے۔ اکیسویں صدی میں انسانی زندگی کا پورا ڈسکورس بدل چکا ہے۔ اور اسی طریقۂ وقت کے ساتھ ساتھ بدعات اور خرافات میں بھی اضافہ دیکھنے کو مل رہا ہے، سادگی اور بندگی ختم ہوگئی، ہر طرف دنیاداری اور مادیت پرستی کا طلسم اپنی سحر کاریاں دکھاتا نظر آتا ہے، نوجوان مسلسل بے راہ روی کا شکار ہے۔ مایوسی ناامیدی اور خود وہراس ہے۔ اس دور میں سید سرفراز احمد شاہ صاحب کی خدمت اور کام اس معیار کا ہے، کہ انہوں نے صدیوں سے پڑی اس گرد کو متصوفانہ تصورات سے ہٹایا اور اور اسلام کیعین روح اور قطعی اصول کو سامنے رکھتے ہوئے اصل تصوف کا تصور اپنے لیکچرز اور تصانیف میں پیش کیا، جس سے ہزاروں افراد مستفید ہو رہے ہیں۔ یہ عمل جاری رہنا چاہیے فی زمانہ ناگزیر اس کی ضرورت ہے۔ محمد عامر خاکوانی سید سرفراز احمد شاہ صاحب کے متعلق لکھتے ہیں:

"شدید ضرورت تھی کہ کوئی بزرگ سامنے آئے اور صوفی تعلیمات پر چھائی گرد جھاڑ کر اصل روح سامنے لائے۔ صاحبِ کشف و عرفان بزرگ سید سرفراز احمد شاہ صاحب کی کتاب "کہیے فقیر" نے یہ کام بڑے شاندار طریقے سے انجام دیا ہے۔"(۲۳)

سید انور قدوائی اپنے خیالات کا اظہار کچھ اس طرح کرتے ہیں:

"کہئے فقیر میں پہلی بار تفصیل سے تصوف، روحانیت، کشفِ، مراقبہ، مرشد اور مرید کے حوالے سے سہل اور آسان زبان میں اس طرح روشنی ڈالی گئی ہے، کہ عام آدمی اس پر عمل کر کے رب تعالیٰ کی قربت حاصل کر سکتا ہے۔ یہ ایسی کتاب ہے جو روحانی تشنگی کو تسکین بخشتی ہے۔"(۲۴)

سید سرفراز احمد شاہ کی ادبی شناخت بنیادی طور پر ان کی تصانیف سے تشکیل پاتی ہے۔ ان کی سب سے نمایاں ادبی خصوصیت یہ ہے کہ انھوں نے تصوف کی نسبتاً مشکل اور پیچیدہ اصطلاحات کو عام فہم زبان میں بیان کیا ہے۔ رؤف طاہر اس حوالے سے لکھتے ہیں:

"زبان و بیان کی سادگی اور سلاست اس کا ایک حسن ہے، جس کا سحر قاری کو یوں اپنی گرفت میں لے لیتا ہے کہ کتاب ہاتھ سے چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا۔"(۲۵)

شاہ صاحب کے ادبی اسلوب کا اہم ترین وصف مکالمہ ہے۔ ان کی علمی نشستوں یا مجالس میں سامع سوال کرتا ہے، مسئلہ بیان کرتا ہے اور سید سرفراز احمد شاہ صاحب اس سوال کا جواب دیتے ہیں۔ یہی سوال و جواب بعد میں کتابی صورت اختیار کرتے ہیں۔ یہ طریقۂ اظہار اُردو کی صوفیانہ روایت میں بالکل اجنبی نہیں ہے۔ شاہ صاحب کی یہ تحریریں ملفوظاتی روایت کی جدید صورت معلوم ہوتی ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ قدیم دور میں مخاطب زیادہ تر خانقاہی یا صوفیانہ ماحول سے وابستہ ہوتا تھا۔ جب کہ سید سرفراز احمد شاہ صاحب کا مخاطب، طالب علم، ملازم، کاروباری شخص، گھریلو افراد، نوجوان، پریشان حال انسان، اور عام شہری وغیرہ سب ہوسکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی مکالماتی نثر کا انداز عوامی مکالمے میں بدل گیا ہے۔ شاہ صاحب کی ادبی فکر میں عصری شعور بھی نمایاں ہے۔ انہوں نے صرف کلاسیکی صوفیانہ مسائل پر ہی گفتگو نہیں کی بلکہ موجودہ دور میں بے روزگاری، معاشی بدحالی، مایوسی، قومی مسائل، انسانی نفسیات اور مستقبل جیسے اہم مسائل پر بحث کی ہے، انھوں نے جدید انسان کے مسائل کو صوفیانہ تناظر میں دیکھا ہے اور تصوف کو عوامی ابلاغ اور جدید

ذرائع ابلاغ کے ذریعے وسیع قارئین و سامعین تک پہنچایا۔ ان کی علمی نشستیں یا مجلسیں ایک اجتماع نہیں بلکہ علم کی ترسیل کا ذریعہ ہیں۔ "سوال" صرف استفسار نہیں بلکہ معرفت کی طرف سفر کا نقطۂ آغاز ہے؛ اور "جواب" معلومات نہیں بلکہ اخلاقی و روحانی تربیت کا ذریعہ ہے۔ ان کی نثر میں کلاسیکی صوفیانہ روایت کی خوشبو بھی محسوس ہوتی ہے اور جدید انسان کے سوالات کی بازگشت بھی۔ ان کا مکالماتی اسلوب، سادہ و رواں زبان، حکایت و تمثیل کا استعمال اور روزمرہ زندگی سے مثالیں ان کے صوفیانہ افکار کو عام قاری کے لیے قابلِ فہم بناتی ہیں۔ ان کی تحریروں میں ملفوظات کی روایت جدید دَور کے جدید صوفیانہ، فکری و عصری شعور سے اور روحانی تجربہ ادبی اظہار سے ہم آہنگ ہوتا دکھائی دیتا ہے۔

سید سرفراز احمد شاہ نے قدیم سرمائے کو نئے عہد کی زبان، نئے سوالات اور نئے ذہنی تناظر سے جوڑنے کی کوشش کی ہے۔ ان کی تحریروں میں روایت، جدت، روحانیت، زندگی، فکر اور عمل، لفظ اور تجربہ سب ایک دوسرے سے باہم کلام دکھائی دیتے ہیں۔ سید قاسم علی شاہ اس ضمن میں لکھتے ہیں:

> "سید سرفراز احمد شاہ صاحب ہمارے ملک کے ایک معروف روحانی اسکالر ہیں، اسلام و روحانیت کے پیغام کو نہایت آسان انداز میں سننے اور پڑھنے والوں تک پہنچانے کا فن اللہ نے انہیں ودیعت کیا ہے۔ ان کے دھیمے اور نرم لہجے میں کی گئی گفتگو، سننے والوں کے دل میں اتر جاتی ہے۔ شاہ صاحب کی آڈیوز، ویڈیوز اور کتابیں اصلاحِ ذات، خود شناسی، رب اور بندے کے تعلق کو مضبوط کرنے کا بہت بڑا ذریعہ ہیں۔" (۲۶)

سید سرفراز احمد شاہ کا فکری و ادبی کردار اُردو تصوف کی روایت میں اس وجہ سے اہم ہے، کہ انھوں نے صوفیانہ فکر کو ایک ایسی زبان عطا کی جو علمی بھی ہے، وقار والی بھی، روحانی بھی ہے، معاشرتی بھی، اور سچی ہے اور عصری بھی۔ ان کی اصل فکری و ادبی قوت مشکل بات کو آسان بنا دینے میں ہے، وہ تصوف کو صرف خانقاہ، خلوت اور مراقبے کا موضوع نہیں بناتے بلکہ اس انسان کے روزمرہ کردار، تعلقات، اخلاق، تربیت، نیکی، قرآن و حدیث، حقوق العباد اور صحابی زندگی سے جوڑتے ہیں، ممتاز مفتیکی تصنیف الکھ نگری سے ماخوذ اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

> "شاہ صاحب کے پاس بیٹھ کر میں نے محسوس کیا جیسے وہ ہم میں سے تھے، جیسے میرے پاس کوئی دوست یا ساتھی بیٹھا تھا۔ اس کے برعکس علمائے دین کا انداز کچھ الگ ہوتا ہے، جیسے دیکھ کر محسوس ہوتا ہے جیسے نعقیب کہہ رہے ہوں، ہٹو، بچو، باادب، باملاحظہ، ہوشیار، عالی جناب، عالمِ دین قدم رنجا فرما رہے ہیں، شاہ صاحب کو دیکھ کر میرا الیقین ایمانِ کامل میں بدل گیا اور میں

نے محسوس کیا جیسے میں ان کی خدمت میں خود حاضر نہیں ہوا، بلکہ بھیجا گیا ہوں۔"(۲۷)

زیرِ نظر مقالے میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ شاہ صاحب کیفکری و ادبی کاوش کا امتیاز یہ ہے کہ وہ قاری کو صرف تصوف پڑھنے کی دعوت نہیں دیتے بلکہ اسے اپنے آپ کو پڑھنے کی طرف متوجہ کرتے ہیں، ان کی نثر کا سفر لفظ سے شروع ہو کر باطن تک پہنچتا ہے۔ اور اس کا مقام پر ادب اظہار نہیں رہتا بلکہ تزکیۂ نفس اور شعور کی جہت اختیار کر لیتا ہے۔ سید سرفراز احمد شاہ صاحب کا فکری و ادبی کردار ایک ایسا پل ہے جو کلاسیکی و روحانی قدروں کو معاصر انسانی شعور سے ملاتا ہے اور شاید اسی پل پر کھڑے ہو کر فقیر کی آواز آج کے انسان سے یہ کہتی محسوس ہوتی ہے کہ اصل سفر باہر کی دنیا کا نہیں، اپنے اندر کے انسان تک پہنچنے کا سفر ہے۔

حوالہ جات

۱۔ نفیس اقبال، ڈاکٹر، اُردو شاعری میں تصوف میر و سودا اور درد کے عہد میں، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۷ء، ص:۲۶

۲۔ قدرت اللہ شہاب، شہاب نامہ، مرتبہ، شیما مجید، جنگ پبلشرز، لاہور، ۲۰۰۰ء، ص:۲۲۳

۳۔ کنز الایمان، ترجمۃ القرآن، مترجم امام احمد رضا خان، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، پارہ ۳۰، سورۃ الشمس ۹۱، آیت: ۶، ۹

۴۔ محمد حسن، پروفیسر، دہلی میں اُردو شاعری کا تہذیبی و فکری پس منظر، اُردو اکادمی، دہلی، ۱۹۸۹ء، ص:۲۳۸

۵۔ خلیق احمد نظامی، پروفیسر، تاریخ مشائخ چشت، ادارۂ ادبیات، دہلی، ۱۹۸۰ء، ص:۸

۶۔ محمد حفظ الرحمن، ڈاکٹر، تصوف اور صوفیاء کی تاریخ، شاکر پبلی کیشنز، لاہور، نومبر ۲۰۱۴ء، ص:۴۱

۷۔ سید سرفراز احمد شاہ، کہئے فقیر، جہانگیر بکس ڈپو، لاہور، ۲۰۱۴ء، فلیپ

۸۔ http://www.youtube.com/watch?v=AMxnITerpe رجوع ۲۶ اگست ۲۰۲۶ء

۹۔ سید سرفراز احمد شاہ، کہئے فقیر، جہانگیر بکس ڈپو، لاہور، ۲۰۱۴ء، ص:۱۵۲

۱۰۔ ایضاً ص:۱۵۹

۱۱۔ ایضاً ص:۱۵۹، ۱۶۰

۱۲۔ ایضاً ص:۱۶۳

۱۳۔ طاہر القادری، ڈاکٹر، سلوک و تصوف کا عملی دستور، منہاج القرآن پبلیکیشنز، لاہور، ۲۰۱۴ء، ص:۶۲

۱۴۔ سید سرفراز احمد شاہ، ارژنگِ فقیر، جہانگیر بکس پبلشرز، لاہور، س۔ن، ص:۱۷

۱۵۔ سید سرفراز احمد شاہ، کہئے فقیر، جہانگیر بکس پبلشرز، لاہور، ۲۰۱۴ء، ص:۴۹

۱۶۔ https://www.youtube.com/watch?v=ioN_Ky4greJ0y رجوع ۱۹ اگست ۲۰۱۶ء

۱۷۔ سید سرفراز احمد شاہ، ارژنگِ فقیر، جہانگیر بکس پبلشرز، لاہور، سن اشاعت ندارد، ص:۴۴، ۴۵

۱۸۔ سید سرفراز احمد شاہ، کہئے فقیر، جہانگیر بکس پبلشرز، لاہور، ۲۰۱۴ء، ص:۳۶

۱۹۔ عبدالعزیز، صوفیانہ زندگی کیا ہے، ورق، مشمولہ http://mazameen.com/religion-Tasawwuf.html رجوع ۱۶ اگست ۲۰۲۶ء

۲۰۔ سید سرفراز احمد شاہ، عرضِ فقیر، جہانگیر بکس پبلشرز، لاہور، س۔ن، ص:٦٦

۲۱۔ سید سرفراز احمد شاہ، کہئے فقیر، جہانگیر بکس پبلشرز، لاہور، س۔ن، اشاعت بیانویں، ص:۱۱۵

۲۲۔ سید سرفراز احمد شاہ، فقیر نگری ۱۱، جہانگیر بکس پبلشرز، لاہور، س۔ن،، ص:۲۴۵

۲۳۔ سید سرفراز احمد شاہ، کہئے فقیر، جہانگیر بکس پبلشرز، لاہور، اشاعت پچسویں، فلیپ

۲۴۔ ایضاً

۲۵۔ ایضاً

۲٦۔ سید سرفراز احمد شاہ، چالیس علمی نشتیں، نئی سوچ پبلشرز، لاہور، ۲۰۱۲ء، فلیپ

۲۷۔ سید سرفراز احمد شاہ، افکارِ فقیر، مکتبہ جدید پریس، لاہور، ۲۰۱٦ء، فلیپ

References:

1. Iqbal, Nafees, Dr., Urdu Shairi mein Tasawwuf: Mir-o-Sauda aur Dard ke Ahd mein, Lahore: Sang-e-Meel Publications, 2007, p. 26.
2. Shahab, Qudratullah, Shahab Nama, ed. Shaima Majid, Lahore: Jang Publishers, 2000, p. 223.
3. Kanz-ul-Iman, Tarjuma-tul-Quran, Translator: Imam Ahmad Raza Khan, Lahore: Zia-ul-Quran Publications, Para 30, Surah al-Shams 91, Ayat 6, 9.
4. Hasan, Muhammad, Prof., Delhi mein Urdu Shairi ka Tehzibi-o-Fikri Pas-e-Manzar, Delhi: Urdu Academy, 1989, p. 238.
5. Nizami, Khaliq Ahmad, Prof., Tarikh-e-Mashaikh-e-Chisht, Delhi: Idara-e-Adabiyat, 1980, p. 8.
6. Hafiz al-Rahman, Muhammad, Dr., Tasawwuf aur Sufiya ki Tarikh, Lahore: Shakir Publications, November 2014, p. 41.
7. Shah, Syed Sarfraz Ahmad, Kahiye Faqeer, Lahore: Jahangir Books Depot, 2014, Flap.
8. YouTube, https://www.youtube.com/watch?v=AMxnITerpe, accessed August 26, 2026.
9. Shah, Syed Sarfraz Ahmad, Kahiye Faqeer, Lahore: Jahangir Books Depot, 2014, p. 152.
10. Ibid., p. 159.
11. Ibid., pp. 159–160.
12. Ibid., p. 163.
13. Qadri, Tahir, Dr., Sulook-o-Tasawwuf ka Amali Dastoor, Lahore: Minhaj-ul-Quran Publications, 2014, p. 62.

14.Shah, Syed Sarfraz Ahmad, Arjang-e-Faqeer, Lahore: Jahangir Books Publishers, n.d., p. 17.
15.Shah, Syed Sarfraz Ahmad, Kahiye Faqeer, Lahore: Jahangir Books Publishers, 2014, p. 49.
16.YouTube, https://www.youtube.com/watch?v=ioN_Ky4greJ0y, accessed August 19, 2016.
17.Shah, Syed Sarfraz Ahmad, Arjang-e-Faqeer, Lahore: Jahangir Books Publishers, n.d., pp. 44–45.
18.Shah, Syed Sarfraz Ahmad, Kahiye Faqeer, Lahore: Jahangir Books Publishers, 2014, p. 36.
19.Aziz, Abdul, Sufiyana Zindagi Kya Hai, Warq, Mashmoolah: Mazameen.com, https://mazameen.com/religion-/Tasawwuf.html, accessed August 16, 2026.
20.Shah, Syed Sarfraz Ahmad, Arz-e-Faqeer, Lahore: Jahangir Books Publishers, n.d., p. 66.
21.Shah, Syed Sarfraz Ahmad, Kahiye Faqeer, Lahore: Jahangir Books Publishers, n.d., 92nd edition, p. 115.
22.Shah, Syed Sarfraz Ahmad, Faqeer Nagri 11, Lahore: Jahangir Books Publishers, n.d., p. 245.
23.Shah, Syed Sarfraz Ahmad, Kahiye Faqeer, Lahore: Jahangir Books Publishers, 25th edition, Flap.
24.Ibid.
25.Ibid.
26.Shah, Syed Sarfraz Ahmad, Chalees Ilmi Nashtain, Lahore: Nai Soch Publishers, 2012, Flap.
27.Shah, Syed Sarfraz Ahmad, Afkar-e-Faqeer, Lahore: Maktaba Jadid Press, 2016, Flap.